

شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک

تقدیم

نحمدہ و نصلی علی رسلہ انکریم

شاید ہی کوئی سلیم الفطرت شخص اس بات سے انکار کر سکے کہ ہمارے معاشرہ میں شادی بیاہ ولادت اور فوتگی کے موقع پر جو رسوم ادا کی جاتی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر ہندوانہ تہذیب کی باقیات السیئات ہیں۔ ان کا اسلام سے دور کابھی تعلق نہیں ہے۔ ہمارا دین، دین فطرت ہے۔ لہذا اس نے فطرت کے مطابق اجتماعی عدل کے پیش نظر ان تمام موقع اور تواریب کیلئے اسلامی معاشرہ کی عدل و قسط پر مبنی رہنمائی فرمائی ہے اور کسی معیار کے خاندان کیلئے اسے ناقابل برداشت بوجہ نہیں بنایا ہے۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے ان رسومات کی اصلاح کی طرف اپنی تقاریر میں لوگوں کی توجہ دلانی شروع کی اور علامہ اقبال کے اس مصروفہ کے مصداق ”یاسراپا نالہ بن جا یانا پیدا نہ کر“ ۱۹۷۳ء میں اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد صاحب کی شادی کے موقع پر اپنے خاندان سے اس کی طرف اصلاحی پیش قدیم شروع کی اور موصوف کا نکاح اس ارشاد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق : ((أَغْلِبُوا هَذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ)) مسجد میں ہوا..... بعدہ جب ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی بچیوں اور فرزندوں کی شادی کے موقع پر اپنی پیش کردہ اصلاحی تحریک کے مطابق عمل درآمد شروع کیا۔ چنانچہ اس کتابجھے کے آغاز میں ڈاکٹر صاحب کی وہ تحریر شامل ہے جو موصوف نے ستمبر ۱۹۸۱ء کے میانہ کے لئے سپرد قلم فرمائی تھی۔ اس تحریر کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب کی پوری اصلاحی تحریک اور اس پر ان کے اپنے عمل کا پورا نقشہ سامنے آجائے گا۔ الحمد لله اس تحریک کے اثرات رفتہ مترب ہو رہے ہیں اور اس سے متاثر ہو کر پنجاب خاص طور پر لاہور میں بہت سے اہل ثروت حضرات نے اس پر عمل شروع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو مزید کامیابی عطا فرمائے۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے جب دعوت رجوع الى القرآن کا آغاز کیا تو دعوت کے نفوذ کے ساتھ ہی دعوت کے وابستگان کے بہان سے اپنے اور اپنے عزیزوں کے بچوں بچیوں کے نکاح پڑھانے کے لئے اصرار ہونے لگا۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک خطبہ نکاح کی اصل غرض و غایت موقع کی مناسبت سے تذکیر و تلقین اور نصیحت ہے لہذا موصوف نے خطبہ نکاح کے ساتھ اردو میں خطاب کو معمول بنا لیا تاکہ تذکیر کا حق ادا ہو سکے اور خطبہ نکاح کا ہماری معاشرتی زندگی سے جو گہرا ربط و تعلق ہے وہ واضح ہو سکے۔ اس عاجز نے مختلف خطابات سے اہم نکات لے کر اس کو کتابجھے کی شکل میں ۱۹۷۹ء میں اپنی دو بچیوں کی شادی کے موقع پر شائع کیا تھا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے فرزند ارجمند ڈاکٹر عارف رشید سلمہ کی شادی کے موقع پر اسے ”میانہ“ میں بھی شائع کیا گیا۔ اکثر احباب کا اصرار تھا کہ ان دونوں اہم چیزوں کو یکجا مستقل طور پر انجمن کی مطبوعات میں شامل کیا جائے۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ یہ کام انجام پا گیا ہے۔ وما توفیقی الا بالله

احقرجمیل الرحمن عفی عنہ

شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں

ایک اصلاحی تحریک

از قلم: ڈاکٹر اسرار احمد

جمعمرات ۱۴ اگست ۱۹۸۱ء شام کو میری تیسرا بھی کا عقد نکاح اپنے چجازاد کے ساتھ بفضلہ تعالیٰ بخیر و خوبی انجام پایا۔ اس تحریک کی مختصر رواداد یہ ہے کہ اس کے لئے میں نے صرف ایک اخباری اعلان پر اکتفا کیا تھا۔ اس میں یہ صراحة بھی موجود تھی کہ اس موقع پر کسی خورد و نوش کا کوئی اہتمام نہیں ہو گا۔ اپنے قریب ترین اعزہ میں سے بھی کسی کو میں نے تعین کرے ساتھ (by name) مدعو نہیں کیا تھا۔ مغرب کی نماز سے آدھ گھنٹے قبل، جامع القرآن یعنی قرآن اکیڈمی (۳۶) کے ماذل ٹائون لاہور کی جامع مسجد میں لاٹوڈ سپیکر پر مصری قراءت کا ایک ریکارڈ لگادیا گیا۔ مہمان آتے رہے اور نہایت ادب اور سکون کے ساتھ بیٹھے کر استماع قرآن میں مشغول ہو جاتے رہے۔ اسی خاموشی کے ساتھ دولہا اور اس کے ساتھ والے لوگ بھی آتے اور بیٹھے گئے۔ بعد میں نے پندرہ بیس منٹ خطاب کیا۔ پھر خطبہ نکاح پڑھا اور خود ہی ایجاد و

قبول کا مرحلہ طے کردا یا۔ مزید برا آن حاضرین کی جانب سے خود ہی اپ کو مبارک باد دے کر اور خود ہی اسے قبول کر کرے مجلس کے خاتمے کا اعلان کر دیا تاکہ کسی تاخیر کے بغیر معمول کے مطابق درس قرآن شروع ہو سکے۔ بعدازان کوئی پانچ سات منٹ چھوپہاروں کی تقسیم میں لگے اور اس کے بعد درس قرآن کا آغاز ہو گیا۔۔۔ بچی بھی مہمان خواتین کے زمانہ ہال میں موجود تھی، اسے وہیں سے اس کے پڑے بھائیوں نے دولہا کے ساتھ رخصت کر دیا اور اس طرح یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔

اس پر انگریزی روزنامے ”پاکستان ٹائمز“ نے بھی ”An Austere Marriage“ کا چوکھٹا نمایاں طور پر لگایا اور جناب م۔ ش نے تو اپنی ڈائیری میں (نوائے وقت ۱۳۰ ۱۹۸۱ء) مجھے خوب ہی کائنٹون پر گھسیٹا اور ”ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل زیادہ زندگی ہوتا ہے!“ کی سرخی جمائی۔ اب جب کہ اس طور سے ”رسوائی“ ہو ہی گئی ہے اور یہ معاملہ لوگوں کے علم میں آہی گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کسی قدر مزید تفصیل سے روشنی ڈال دی جائے۔ کیا عجب کہ اس سے لوگوں کو کوئی عملی رہنمائی حاصل ہو جائے۔

شادی بیاہ کی تقریبات اور لوازمات و رسومات کے روزافروں طومانی جس طرح ایک سماجی برائی کی شکل اختیار کر لی ہے اس کا شدید احساس ہر صاحب نظر اور ملک و ملت کا درد رکھنے والے انسان کو ہے۔ امیرون کے لئے تو یہ تقریبات و رسومات صرف ”چونچلوں“ یا پھر اپنے ”کالے دھن“ کے نمائش و اظہار کے ذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن عوام کی اکثریت کے لئے یہ ناقابل برداشت بوجہ یا بالفاظ دیگر پائوں کی بیڑیاں اور گلے کا طوق بن گئی ہیں، جن کے باعث شادی میں تاخیر ہوتی ہے اور اس ”ام الخبائث“ (شادی کی تاخیر) کے بطن سے اخلاقی اور نفسیاتی امراض کا ایک لامتناہی سلسلہ جنم پاتا چلا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی جو بلند وبالا شانیں بیان ہوئی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو ناقابل برداشت بوجہوں اور ان طقوسوں سے نجات دلائیں گے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوں گے ﴿وَيَضْعُ عَنْهُمْ أَصْرَهُمْ وَالْأَغْلَلُ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ لہذا آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی خواہش اور آپ ﷺ کے طریق کار پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کی اصلاح کا داعیہ رکھنے والوں کا فرض عین قرار پاتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان بوجہوں سے نجات دلانے کی کوشش کریں خواہ اس میں ان کو کیسی ہی تکالیف اٹھانی پڑیں اور کتنی ہی مشکلات کا سامنا ہو۔

اس ضمن میں جہاں تک ”садگی“ کے وعظ کا تعلق ہے تو وہ تو عام طور پر رکھنے اور سنتے ہے اور بسا اوقات وقتی اور فوری طور پر اس کا اثر بھی سامعین شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا کوئی عملی اثر مترب نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ بادنی تامل سمجھے میں آجائی ہے۔ یعنی ”садگی“ ایک مبہم اور اضافی لفظ ہے جس کا کوئی معین مفہوم نہیں ہے۔ غرباء کے لئے اس لفظ کے معنی کچھ اور ہیں اور امراء کے لئے بالکل اور اتو جس اصلاحی کوشش کی بیاد ایسے مبہم اور غیر معین تصور پر ہو گئی، اس کا حاصل و نتیجہ پیشگی ظاہر ہے۔

رقم الحروف کو اس مسئلے کے ساتھ عملی سابقہ اولاً اس وقت پیش آیا جب ۱۹۶۶ء میں رقم نے لاہور میں دعوت رجوع الی القرآن کا آغاز کیا اور درس و مطالعہ القرآن حکیم کے حلقے قائم کئے۔ ان حلقوں کے ذریعے جو لوگ رقم کے قریب آئے، ان میں فطری طور پر رقم کے ساتھ حسن ظن اور ایک گونہ عقیدت پیدا ہونی شروع ہوئی جس کے نتیجے میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ نکاح خوانی کی فرمائشیں بھی آئی شروع ہوئیں۔ ابتدا میں تو میں نے اس سے احتزار کرنے کی کوشش کی لیکن جب فرمائشوں نے تقاضی اور مطالبوں کی صورت اختیار کی تو چار و ناجار گھنٹے ٹیک دینے پڑے اور اپنے رفقاء و احباب کے بچوں اور بچیوں کے نکاح پڑھانے کا سلسلہ شروع کرنا پڑا۔

اس سلسلے میں اولین بات تو میرے سامنے یہ آئی کہ ہم نے خطبہ نکاح کو محض ”جنتر میٹر“ بنا کر رکھ دیا ہے، حالانکہ خطبے کی اصل غرض و غایت تذکیر و نصیحت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کو خطبہ جمعہ کے ساتھ ”خطاب جمعہ“ کا اضافہ کرنا پڑتا تاکہ خطبہ جمعہ کی اصل غرض و غایت اگر خود اس سے حاصل نہ ہو رہی ہو تو عربی زبان کے مقولے ”مَلَأَ يُذْرَكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ“ کے مطابق اس سے یکسر محرومی قبول نہ کی جائے بلکہ اسے اضافی خطاب جمعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت میں نے ”خطبہ نکاح“ سے قبل ”خطاب“ کا سلسلہ شروع کیا جس میں ان آیات و احادیث کی مختصر تشریح بھی ہوتی تھی جو نکاح کے مسنون خطبے میں شامل ہیں اور کچھ عمومی دعوت و نصیحت بھی ہوتی تھی اور خاص طور پر حدیث مبارکہ ”النِّكَاحُ مِنْ سُنْنَتِ“ کے ضمن میں جہاں رہبائیت کی نقی ہوتی تھی، وہاں سنت کا وسیع تر تصور بھی سامنے رکھا جاتا تھا اور آخر میں نہایت زور دے کر کھا جاتا تھا کہ ”اتباع سنت“ کے پہلے قدم کے طور پر کم از کم شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات کے ضمن میں توہین یہ طریقہ کرہی لینا چاہیئے کہ ان میں سے صرف وہی چیزیں باقی رکھی جائیں جن کا ثبوت آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مل جائے اور باقی تمام بعد کی ایجاد کردہ یا باہر سے درآمد شدہ رسومات کو پوری ہمت اور جرأت کے

ساتھ پائوں تلے روند دیا جائے۔ مثلاً یہ کہ نکاح مسجد میں ہونا چاہئے، جہیز اور بڑی وغیرہ کی نمائش بالکل نہیں ہونی چاہئے، گھروں کی تریئن و آرائش اور بالخصوص روشنی وغیرہ پر اسراف سے بچنا چاہئے اور دعوت طعام صرف ایک ہونی چاہئے، یعنی دعوت ولیمہ۔ لڑکی والوں کی جانب سے نکاح کے موقع پر دعوت طعام کا سلسہ بالکل بند ہونا چاہئے وغیرہ وغیرہ۔

مسلسل پانچ چھ برس تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا کہ لوگ یہ باتیں سن کر نگاہیں نیجی کر لیتے تھے، فوری تاثر کے آثار بھی ان کے چھروں پر ظاہر ہوتے تھے۔ بعد میں بہت سے لوگ اس وعظ کی تائید و تصویب ہی نہیں، تحسین بھی فرماتے تھے۔ لیکن جب موقع آتا تھا تو ”زمین جنبد نہ جنبد گل محمد“ کے مصدق پر نالہ وہیں گرتا تھا اور بالکل ایسے محسوس ہوتا تھا کہ بیل گاڑی کا اس ”لیک“ سے ہٹنا تقریباً ناممکن ہے۔ تا آنکہ ۱۹۷۳ء کے اواخر میں میں چھوٹی بھائی ڈاکٹر انصار احمد انگلینڈ سے ہی ایج ڈی کی تکمیل کر کے واپس آگئے اور ان کی شادی کا مرحلہ آیا۔ وہ ہم تمام بھائیوں میں سب سے چھوٹی ہیں۔ گویا ہمارے خاندان کی ایک نسل کی سطح پر یہ آخری شادی تھی۔ میں نے اس موقع پر ایک فیصلہ کن اقدام کا عزم کیا۔ اس لئے کہ میں سامنے معاملے کی صورت یہ آئی کہ جو کچھ دوسروں کو بطور نصیحت کہتے رہے ہو، اب یا تو خود اس پر عمل کر کے دکھائو ورنہ ان باتوں کا کہنا بھی چھوڑ دینا چاہئے۔ گویا بقول علامہ اقبال ۔

یاس را پانے والے بن جایا نہ واپس دانے کر!

خوش قسمتی سے جہاں رشتہ طے پایا تھا، وہ خود بہت پختہ دینی مزاج کے حامل لوگ تھے۔ گویا اصل مسئلہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی حل کر دیا تھا۔ چنانچہ بحمد اللہ کوئی دقت پیش نہ آئی اور جو ہی میں نے ان کے سامنے پورا معاملہ رکھا، انہوں نے برضاء و رغبت آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اگرچہ بعد میں دوسرے اعزہ و اقارب نے معاملے کو سخت رد و قدح اور طعن و استہزاء کا موضوع بنایا اور کسی قدر تلخی بھی پیدا ہو گئی تاہم بحمد اللہ یہ شادی ٹھیٹھ سنت نبوی علی صاحبها الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہوئی اور اس طرح بفضلہ تعالیٰ *Charity Begins at Home* والا معاملہ ہو گیا۔

اس مرحلے پر پہلے اقدام کے طور پر راقم نے تین چیزوں پر زور دینے کا فیصلہ کیا۔ ایک یہ کہ نکاح مسجد میں منعقد ہو، دوسرے یہ کہ لڑکی والوں کی طرف سے کوئی دعوت طعام نہ ہو اور تیسرا یہ کہ بارات کا تصور بالکل ختم کر دیا جائے۔ ان تینوں کی وضاحت کے ضمن میں جو مختصر تحریر رقم کے قلم سے نکل کر ”میثاق“ لاہور کی اشاعت بابت فروری ۱۹۷۲ء کے ”تذکرہ و تبصرہ“ کے صفحات میں شائع ہوئی (اور جو بعد میں ایک علیحدہ چار ورقے کی صورت میں طبع ہو کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم ہوئی) وہ من و عن درج ذیل ہے۔

۱۔”جہاں تک نکاح کی تقریب کے مساجد میں میں انعقاد کا معاملہ ہے وہ ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ اکثر لوگ اس پر جلد ہی راضی ہو جاتے ہیں اس لئے کہ بات بڑی واضح ہے۔ چنانچہ بہت سے مواقع پر جب دو باتیں (جن کا ذکر آگئے آئے گا) اس ضمن میں کہی گئیں تو واقعہ یہ ہے کہ جملہ حاضرین کی پیشانیاں عرق ندامت سے نہ ہو گئیں اور ان کے چھروں پر حقیقی تاثر کے اثرات نمایاں ہو گئے۔ ایک یہ کہ جب تاجردار عالم اور محبوب رب العالمین ﷺ کی لخت جگر اور دختر نیک اختر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مسجد میں ہوا تو ہم میں سے کون ہے جو اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ سے زیادہ باعترض یا اپنی بیٹی کو سَيِّدَةِ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ سے افضل سمجھتا ہو اور اسے مسجد میں نکاح پڑھوانے سے عار محسوس ہو؟ اور دوسرے یہ کہ ہمیں شرم آنی چاہئے کہ عیسائیوں نے، اس کے باوجود کہ ان کا اپنے مذہب سے لگاؤ نہ ہونے کے برابر ہے، تاحال کلیسا کا درجہ اس قدر بلند رکھا ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں نکاح کے لئے وہاں حاضر ہوتے ہیں اور ہمارا یہ حال ہے کہ ہم نے مسجد کا مقام اس درجے گردیا کہ وہاں نکاح پڑھوانے کو عار جانتے ہیں حالانکہ شریعت نے واضح راہ کھول دی ہے کہ لڑکی کی طرف سے اس کا وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح خوان کو اجازت ”ایجاد“ دیتا ہے۔ اس طرح جب لڑکی کا خود مجلس نکاح میں موجود ہونا ضروری نہیں تو آخر اس کے گھر پر اس تقریب کا انعقاد کیوں ضروری سمجھ لیا گیا ہے؟ رقم کے خیال میں یہ دونوں دلیلیں اتنی قوی اور موثر ہیں کہ اگر ان کو عام کر دیا جائے تو اکثر لوگ تقریب نکاح کے مسجد میں انعقاد پر برضاء و رضاعت آمادہ ہو جائیں گے۔ ویسے دو مزید دلیلیں جو یقیناً قابل لحاظ ہیں، یہ ہیں کہ اولاً نکاح کے بعد جو دعائے خیر دلہا اور دلہن کے لئے کی جاتی ہے اس کا بہترین ماحول مسجد میں ہوتا ہے نہ کہ شادی والے گھر کی ہنگامہ خیز فضامیں۔ اللہ کے کسی گھر میں کسی نماز کے معاً بعد یہ تقریب منعقد ہو اور اس کے بعد اس پاکیزہ ماحول میں نئے گھر کی آبادی اور خوشحالی اور دین و ایمان کی سلامتی اور باہمی الفت و محبت کی دعا کی جائے تو امید وائق ہے کہ اس کی تاثیر کم از کم د چند ہو جائے گی اور ثانیاً یہ کہ اس سے شامیانوں، قاتلوں، فالینوں، صوفوں اور کرسیوں اور رنگارنگ کی آرائشوں پر صرف ہونے والا پیسے بچ جائے گا جس سے کسی اور نیک کام کے لئے صرف کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ نکاح موقع پر دعوت طعام سے احتراز کا معاملہ البتہ ذرا کڑوی گولی ہے جو آسانی سے حلق سے نہیں اترتی۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو

معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ پہلے معاملے سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے۔

اس سلسلے کی ایک دلیل تو خالص دینی اور مذہبی ہے، یعنی یہ کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے ہمیں زندگی کے ہر گوشے سے متعلق مفصل ہدایات دے دی ہیں، یہاں تک کہ ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں استنجا اور طہارت تک کی بھی مفصل تعلیم دی ہے تو کیا کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شادی بیاہ ایسے معاملات میں حضور ﷺ کی جانب سے معاذ اللہ کوئی کوتاہبی رہ گئی ہے جس کی تلافی کی کوشش ہمیں خود کرنی ہے؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہو اور یقیناً نفی ہی میں ہے تو ہمیں سوچنا چاہئے کہ جب آنحضرت ﷺ نے شادی کے ضمن میں دعوت ولیمہ کی تاکید فرمائی اور اس کی اس لازمی برائی کا ذکر کرنے کے باوجود کہ ”بِئْطَاعِ الْوَلِيْمَةِ يُذْعَنُ إِلَيْهِ الْأَغْيَاءُ وَيُنَزَّكُ الْمَسَاكِينُ“ (یعنی وہ دعوت ولیمہ بھی کیا ہی بڑی دعوت ہے جس میں صاحب حیثیت لوگوں کو بلا جاتا ہے اور مسکینوں سے صرف نظر کر لیا جاتا ہے) یہ مشتبہ حکم بھی دیا کہ ”إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيْمَةِ فَلْيَأْتِهَا“ (جب تم میں سے کسی کو ولیمہ میں بلا جائے تو وہ ضرور جائے) ساتھ ہی مزید تهدید بھی فرمائی کہ ”قَعْدَنَ لَمْ يَأْتِ الدَّعْوَةُ لَقَدْ عَصَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ“ (یعنی جو دعوت میں (بلاغہ) شریک نہ ہو گا اس نے گویا اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کیا۔) واضح ہے کہ یہ تمام حدیثیں ”مسلم شریف“ سے مأخوذه ہیں۔

پس اگر نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے یہاں بھی دعوت طعام کوئی اچھا کام ہوا اور اس میں کوئی بھی خیر کا پہلو موجود ہوتا تو کیا اللہ کے رسول ﷺ ہمیں اس کا حکم نہ دیتے؟ یا کم از کم درجہ استحباب ہی میں اس کا ذکر نہ فرمائے؟ اور جب اس کا کوئی ذکر ہمیں کسی حدیث میں نہیں ملتا تو کیا یہ ایک خواہ مسخواہ کی بدعت نہیں؟ اور کیا یہ ان اصر اور اغلال کے قبیل کی چیز نہیں جن کے بوجہ سے انسانوں کی گردنوں کا آزاد کرانا مقاصد نبوت میں شامل ہے۔

دوسری دلیل وہ ہے جو ہر صاحب عقل سلیم کو اپیل کرے گی، یعنی یہ کہ شادی کا موقع لڑکی والوں کے لئے ویسا کھلی خوشی کا موقع نہیں ہوتا جیسا لڑکے والوں کے لئے ہوتا ہے۔ لڑکے کے لئے یہ خانہ آبادی کا موقع ہوتا ہے اور لڑکے والے گھر میں ایک فرد کا اضافہ ہو رہا ہوتا ہے، لہذا اصل خوشی وہاں ہوتی ہے (یہی وجہ ہے کہ شارع نے دعوت عرس کا حکم لڑکے ہی کو دیا) لڑکی کے والدین کو اس کی شادی کے موقع پر اگرچہ اس پہلو سے ایک احساس اطمینان ضرور ہوتا ہے کہ ایک اہم فرض ادا ہو گیا اور ذمہ داری کا ایک بھاری بوجہ کا نڈھے سے اتر گیا لیکن صحیح معنوں میں ان کے یا لڑکی کے بھائی بھنوں کے لئے یہ خوشی کا موقع ہرگز نہیں ہوتا، بلکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ لڑکی کی رخصتی کے وقت سب اہل خانہ اشکبار ہوتے ہیں۔ گھر کا ایک فرد، ماں باپ کی لاٹلی اور ناز و نعم سے پلی ہوئی بھی، بھنوں اور بھائیوں کی پیاری ماں جائی کا گھر سے رخصت ہونا ظاہر ہے کہ ہرگز خوشی کی بات نہیں۔ اس پر مستزاد ہیں مستقبل کے اندیشے جو ہر طرح کے حزم و احتیاط کے باوجود بہرحال بالکل ختم کسی طرح نہیں ہو سکتے کہ کیا معلوم نہا ہو یا نہ ہو اور بیل منڈھے چڑھے یا نہ چڑھے۔ ان حالات میں اس گھر پر اور ان ہی گھر والوں کے ہاتھوں قورمے اور متنجن اڑانا یقیناً بڑی ہی وناءٰ طبع اور سفلہ مزاجی کا معاملہ ہے۔ ایک غیرت مند اور باہمت انسان کے لئے یہ چیز، الآنکہ ذہن ادھر منتقل نہ ہوا ہو، بڑی ہی قابل قدر حذر ہے۔

۳..... اب اگر یہ دونوں باتیں اظہر من الشمس ہیں: یعنی نکاح کی تقریب مسجد میں ہو اور اس موقع پر دعوت طعام کو پروگرام سے خارج (eliminate) کر دیا جائے تو خود بخود بارات کا پورا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ یہی بھائیوں کے لائق بلکہ صد لائق اخدا کا شکر ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی احادیث کے پورے ذخیرے، یہاں تک کہ جتنی عربی را قم کو آتی ہے، کم از کم اس کی پوری لغت میں کوئی لفظ ایسا موجود نہیں ہے جس کا ترجمہ لفظ ”بارات“ کیا جا سکے اور جس طرح یہ لفظ خالص عجمی ہے اسی طرح اس کا پورا تصور بھی خالص عجمی ہے اور اس کا وہ نقشہ تو خالص ہندوانہ ہے جو ہمارے ذہنوں میں شادی بیاہ کے لوازم کی حیثیت سے رج بس گیا ہے کہ ایک جته کی صورت میں جمع ہو کر اور باقاعدہ ”چڑھائی“ کے انداز میں لڑکی والے کے گھر جانا اور پھر لڑکی کا ڈولا رے کر ”فاتحانہ“ انداز سے لوٹنا خالص ہندوانہ تصور ہے جس کی بیخ کنی لازماً کی جانی چاہئے۔

بارات کا متذکرہ بالا تصور نہ صرف یہ کہ خالص عجمی ہی نہیں خالص ہندوانہ ہے بلکہ ذرا غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ بڑی کم ظرفی کا مظاہرہ بھی لئے ہوئے ہے۔ بڑی شان و شوکت کے ساتھ دندناتے ہوئے جانا اور لڑکی والوں پر بورا رعب جھاڑتے ہوئے بطرز استحقاق پلاٹوزرده اڑانا اور پھر فاتحانہ شان میں ”مال غنیمت“ سے لدمے پہنندے واپس آنا! حیرت ہے کہ کیون لوگوں کو محسوس نہیں ہوتا کہ ان چیزوں کی اس دین سے کسی طور پر کوئی مناسبت نہیں ہو سکتی جو ہر معاملے میں شرافت و مروت، وقار و ممتازت اور دوسروں کے جذبات کے پاس لحاظ کی تعلیم دیتا ہے۔

بہر حال شادی بیاہ کے سلسلے میں یہ وہ ناپاک تثیت (unholytrio) ہے جو مل جل کر ایک وحدت بن گئی ہے، یعنی عیسائیوں کے قول کے مطابق توحید بھی ہے اور تثلیت بھی (”تین میں ایک اور ایک میں تین“) اور بہتری بھی ہے کہ تینوں کی چڑوں پر بیک وقت ضرب کاری لگائی جائے ورنہ اگر کسی ایک کی بیخ کنی پر اکتفا ہوئی تو باقی دونوں فوراً اس تیسری کو بھی از سر نو زندہ کر لیں گے۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں کا یہ خیال بالکل درست نہیں ہے کہ رفتہ رفتہ اور تدریجیاً اصلاح کی طرف قدم بڑھائے جائیں۔ ایسے معاملات میں ایک ہی بار بڑا اقدام مفید بھی رہتا ہے اور پائیدار بھی!

مجھے خوب اندازہ تھا کہ لوگ ان باتوں کو عقلی اور منطقی اعتبار ہی سے نہیں دلی طور پر بھی تسلیم کر لیں گے لیکن جب موقع آئے گا تو ”مجبوریوں“ کا ایک کوہ گران ان کے سامنے آن کھڑا ہو گا اور وہ مجھے بھی ہر طرح مجبور کریں گے کہ ان تقاریب میں شرکت کروں۔ لہذا پیش بندی کے طور پر راقم نے اپنی ذات کی حد تک تین پختہ فیصلے کر کے ان کا ”میثاق“ کے صفحات میں اعلان بھی کر دیا اور جامع مسجد خضراء سمن آباد کے اجتماع جمعہ میں بھی۔ وہ تین فیصلے یہ تھے کہ :

(۱) راقم الحروف آئندہ نہ کسی بارات میں شامل ہو گا۔

(۲) نہ نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے ہاں کسی دعوت طعام میں شریک ہو گا۔

(۳) نہ کسی ایسی تقریب نکاح میں شرکت کرے گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو۔

مجھے اعتراف ہے کہ اس معاملے میں کسی قدر شدت کی صورت پیدا ہوئی لیکن میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ اس کے بغیر معاملہ کسی طرح ٹس سے مس نہ ہوتا۔ الحمد لله کہ میرے رفقاء و احباب میں سے بہت سے لوگوں نے اس معاملے میں میرا پورا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں اس اصلاحی کوشش نے ایک تحری کی صورت اختیار کر لی۔ بہت سے دوسرے احباب جو پورا ساتھ نہ دیے سکرے ان کی ساتھ میں نے ایک درمیانی صورت اختیار کر لی کہ نکاح کا انعقاد انہوں نے مسجد میں کر لیا جس میں میری شرکت ہو گئی۔ بعد ازاں کسی دعوت طعام کا اہتمام انہوں نے کیا جس میں میری عدم شرکت کو انہوں نے خنده پیشانی سے گوارا کر لیا اور ان کی ”مجبوریوں“ کے پیش نظر میں نے بھی ان پر نکیرنے کی۔

قربی عزیزوں اور رشتہ داروں کے حلقے میں البته مجھے زیادہ سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ البته مجھے زیادہ سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجے میں شکر رنجیاں بھی ہوئیں۔ تعلقات کا اقطاع بھی ہوا اور بعض بچپن کی منگنیاں بھی ٹوٹیں لیکن الحمد لله والمنہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان تمام چیزوں کو برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائی اور میرے پائی ثبات میں لغزش نہ آئے دی۔

اس معاملے میں میرے لئے سب سے کڑا امتحان اپنی سب سے بڑی بھی کی شادی کے موقع پر بیش آیا۔ مجھے خوب اندازہ تھا کہ اس موقع پر خواہ میں اپنی طے کردہ ساری پابندیاں پوری طرح نباہ لوں لیکن اگر رخصتی کے موقع پر میں نے دولہا اور ان کے چند عزیزوں کی تواضع صرف ٹھنڈے یا گرم مشروب سے بھی کر دی تو بات کا بتنگڑ بن جائے گا اور سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے میں نے ایک اور انقلابی قدم اٹھایا یعنی یہ کہ بھی کو بھی جمعہ کو مسجد دارالسلام باغ جناح لے گیا۔ نماز جمعہ کے بعد نکاح پڑھایا اور اللہ ہی کے گھر سے اس کی رخصتی عمل میں آگئی۔ اس طرح میرے گھر پر دو چار افراد کا بھی اس صورت میں آنا نہ ہوا جس پر کہینج تاں کر کے بھی ”بارات“ کے لفظ کا اطلاق کیا جا سکتا!

اس کے بعد بڑے بچے کی شادی کا مرحلہ آیا تو ایک طرف تو اس کے لئے جو بارات کراچی گئی وہ کل ڈھائی افراد پر مشتمل تھی یعنی دولہا، اس کی والدہ اور سب سے چھوٹا بھائی۔ (راقم خود ان دونوں دعوتوی و تنظیمی سلسلے میں پہلے ہی سے کراچی میں تھا) دولہا کے دو حقیقی بھائی اور کوئی حقیقی بھن بھی اس ”بارات“ میں شامل نہ تھی۔ پھر یہ کہ جس جمعہ کونماز جمعہ کے متصلًا بعد عقد نکاح ہونا تھا، اسی صبح کوئی سے یہ لوگ کراچی پہنچے اور اسی شام کو دولہن کولے کر لاہور واپس ہو گئے۔ دوسری طرف رفیق مکرم قاضی عبدالقدیر صاحب نے (جن کی بھی سے عقد نکاح ہونا تھا) راقم کی قائم کردہ مثال پر پورا عمل کر کے دکھایا اور اپنے قریب ترین اعزہ و اقارب کو بھی گھر پر مدعونہیں کیا بلکہ مسجد ہی سے بھی کورخصت کر دیا۔

اس کے بعد بڑے بچے کی شادی کا مرحلہ آیا تو ایک طرف تو اس کے لئے جو بارات کراچی گئی وہ کل ڈھائی افراد پر مشتمل تھی۔ یعنی دولہا، اس کی والدہ اور سب سے چھوٹا بھائی۔ (راقم خود ان دونوں دعوتوی و تنظیمی سلسلے میں پہلے ہی سے کراچی میں تھا) دولہا کے دو حقیقی بھائی اور کوئی حقیقی بھن بھی اس ”بارات“ میں شامل نہ تھی، پھر یہ کہ جس جمعہ کونماز جمعہ کے متصلًا بعد عقد نکاح ہونا تھا، اسی صبح کوئی سے یہ لوگ کراچی پہنچے اور اسی شام کو دولہن کولے کر لاہور واپس ہو گئے۔ دوسری طرف رفیق مکرم قاضی عبدالقدیر صاحب نے (جن کی بھی سے عقد

نکاح ہونا تھا) راقم کی قائم کرده مثال پر پورا عمل کر کر دکھایا اور اپنے قریب ترین اعزہ و اقارب کو بھی گھر پر مدعو نہیں کیا بلکہ مسجد ہی سے بھی کو رخصت کر دیا۔

اس کے بعد بحمد اللہ سال روائی کے دوران راقم اپنی مزید دو بچیوں کی ذمہ داری سے اسی طور سے سبکدوش ہو چکا ہے۔

اسی سلسلہ کی آخری یعنی حالیہ تقریب میں جس کے حوالے سے گفتگو کا آغاز ہوا تھا، راقم نے ایک نہایت مختصر خطاب کیا تھا جس کے بارے میں جناب م- ش نے ازراہ ذرہ نوازی یہ فرمایا ہے کہ ”میں نے ڈاکٹر صاحب کے ہزاروں کی تعداد میں مواضع حسنہ میں شرکت کی ہی لیکن اس موقع پر میری روح نے ان کی تقریر دل پذیر سے جو اثرات قبول کئے وہ انمٹ تھے۔ اس میں راقم نے ایک تو آنحضرتو ﷺ کی اسی شان مبارکہ کے حوالے سے جو **وَيَضُعُ عَنْهُمْ أَصْرَهُمْ وَالْأَغْلَلُ أَلَّيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ** کے الفاظ قرآنی میں بیان ہوئی ہے، حاضرین کو جرات مندانہ اقدام کی ترغیب دلاتی تھی اور دوسرے سورہ الانشراح کی آیات مبارکہ **(فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا)** کے حوالے سے تَحْدِيثًا للنعمہ عرض کیا تھا کہ اپنی ان مساعی کے ضمن میں جس اخروی اجر و ثواب کا امیدوار میں ہوں اس کا تو میں محتاج ہوں ہی **﴿رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقَبِيرٌ﴾** اس دنیا میں جو نقد انعام مجھے ملا ہے وہ، وہ آسانی اور سہولت ہی جس کے ساتھ میں تابوت توڑ انداز میں اپنی ان پہاڑ ایسی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو گیا ہوں جن کا تصور بھی ہمارے معاشرے میں بہت سر لوگوں پر لرزہ طاری کر دیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج جب میں غور کرتا ہوں تو شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ اگر مجھے اپنی ان ذمہ داریوں کو زمانے کے دستور و معیار کے مطابق نیھانا ہوتا تو میں لئے اس کے سوا اور کوئی چارئے کارنہ رہتا کہ جسم و جان کی ساری توانائیاں صرف پیسہ کمانے کے لئے نجوڑ دیتا۔ نتیجتاً اللہ کے دین اور اس کی کتاب عزیز کی کسی خدمت کے لئے نہ میں پاس کوئی وقت بچتا نہ قوت و صلاحیت۔ یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ایک جانب مجھے اس فیصلے کی توفیق ارزائی فرمائی کہ میں جسم و جان کی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں اللہ کے دین متنیں اور بالخصوص اس کتاب عزیز کی خدمت کے لئے وقف رہیں گی تو دوسری جانب میری توجہ اتباع سنت کے اس رخ کی طرف بھی مبذول کر دی اور مجھے شادی بیاہ کے ”اصر“ اور ”اغلال“ کے خلاف جہاد کا بیٹا اٹھانے کی توفیق بھی مرحمت فرمادی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج میں خود اپنے ذاتی حالات میں اللہ تعالیٰ کے عظیم وعدوں، یعنی ”وَيُسِّرُكَ لِيُسِّرِي“ اور ”فَسَيُّسِرُهُ لِيُسِّرِي“ کی صداقت و حقانیت کا مشاہدہ کر رہا ہوں کہ تین سال کے اندر اندر اپنے چار بچوں کی ذمہ داریوں سے اس طرح سبکدوش ہو گیا ہوں کہ کسی باریا گرانی کا احساس تک نہیں ہوا۔ **فَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَالْمَنَةٌ** !!

جہاں تک ”جهیز“ کا تعلق ہے میں نے دیکھا یہ بھی سراسر غیر اسلامی اور خالص ہندوانہ ذہنیت کا مظہر ہے۔ تاہم ابتداء میں نے اس کے ضمن میں صرف ”عدم نمائش“ پر زور دیا تھا۔ اب اللہ ہمت دی اور رفقاء، احباب کمر ہمت کس لیں تو اس ضمن میں بھی مزید پیش قدمی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں میرا اپنا جو معاملہ رہا ہے اس موقع پر اسے بیان کر دینے میں بھی ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں ہو گا اور وہ یہ کہ اگرچہ میری پہلی دو بچیاں بھی جو کچھ لے کر میرے گھر سے رخصت ہوئیں اس پر بھی موجودہ زمانے کے کسی بھی معیار کے مطابق ”جهیز“ کا اطلاق نہیں ہو سکتا تاہم حالیہ شادی میں یہ معاملہ بھی بحمد اللہ قدر مطلوب سے بہت قریب پہنچ گیا ہے۔ یعنی میری یہ بھی صرف ایک ایسی بھر کپڑے اور سوا دو تولے کا طلاقی زیور لے کر میرے گھر سے رخصت ہوئی ہے۔

خدا گواہ ہے کہ سطور بالا میں جو کچھ تحریر ہوا ہے اس میں نہ ”غُجب“ کو دخل ہے نہ ہی اس سے ”تعلیٰ“ مقصود ہے۔ ان تمام تفاصیل سے مقصود صرف یہ ہے کہ کچھ لوگ کمر ہمت کس لیں اور اللہ کی تائید و توفیق کی امید کرے سہارے شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات و لوازمات کے طور پر کے ”اصر“ اور ”اغلال“ کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھٹکے ہوں۔ **أَنْ أُرْبُدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ**۔ **الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ**